R. No. 2180/57

Regd. No. L. 922

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

ٹیلیفون
قیمت فی پرچہ
سالانہ چھ روپے

جلد ۲۴ - شمارہ ۳۳ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم ستمبر ۱۹۶۵ء

اداریہ

سہ لسانی فارمولے کو صحیح خطوط پر چلانا ہے

سہ لسانی فارمولا ملک کی بہت سی لسانی مشکلات کا حل ہے۔ اگر اسے صحیح طریقے سے چلایا جائے تو اس سے ایک طرف مادری زبان، علاقائی زبان، انگریزی یا ہندی کی صحیح تعلیم ہو سکتی ہے اور دوسری طرف قومی یک جہتی کی طرف بھی قدم بڑھ سکتا ہے۔ مگر اب تک یا تو اس کا نفاذ رسمی طور سے کیا گیا ہے یا اس کی اسپرٹ کو مجروح کر کے اس کے من مانے معنی پہنائے گئے ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے اس میں بنیادی اہمیت مادری زبان کی ہے۔ مادری زبان چونکہ بچہ کچھ نہ کچھ جانتا ہے اس لیے اس فارمولے کے مطابق مادری زبان کی تعلیم کے ساتھ ادب کی تعلیم شامل ہونی چاہیے اور اسے مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہیے کیونکہ یہ مادری زبان ذریعہ تعلیم بھی ہونی چاہیے۔ چنانچہ مادری زبان کی تعلیم کا معیار نسبتاً اونچا ہوگا اور چونکہ بچہ اسے ابتدائی تعلیم کی منزل سے پڑھتا آیا ہوگا اس لیے اس کا نصاب نسبتاً بلند رکھا جا سکتا ہے۔ باقی دو زبانوں میں سے ایک یا تو علاقائی زبان ہوگی، اگر وہ مادری زبان نہ ہوئی یا انگریزی ہوگی۔ دوسری زبان جو کوئی جدید ہندوستانی زبان ہوگی، چھٹے درجے کے بجائے اگر تیسرے درجے سے شروع کی جائے تو اچھا ہو کیونکہ ماہرین تعلیم کی رائے ہے کہ چودہ سال سے پہلے بچہ آسانی سے کئی زبانیں سیکھ سکتا ہے اور چودہ سال کے بعد اس کی یہ صلاحیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے دوسری زبان خواہ وہ علاقائی زبان ہو یا کوئی جدید ہندوستانی زبان تیسرے درجے سے دسویں و گیارھویں درجے تک پڑھانی چاہیے اور تیسری زبان پانچویں یا چھٹے درجے سے دسویں یا گیارھویں تک۔ یہ تیسری زبان بیشتر انگریزی ہوگی اور اس کے پڑھانے کے لیے نہ صرف تعلیم کے مناسب طریقے سامنے آ گئے ہیں بلکہ اساتذہ بھی معقول تعداد میں تربیت پا رہے ہیں اور کتابیں بھی فراہم ہو رہی ہیں۔ مگر مادری زبان اور دوسری جدید ہندوستانی زبان پر اتنی توجہ نہیں ہے۔ خود ہندی میں جس کے متعلق اس قدر پروپیگنڈا ہو رہا ہے، کورس کی نوعیت، اس کے معیار، تربیت یافتہ اساتذہ اور اچھی کتابوں کے متعلق ابھی تحقیق نہیں ہوئی ہے۔ خصوصاً جنوبی ہند میں ہندی پڑھانے کے سلسلے میں سوائے گاندھی جی کی قائم کی ہوئی ہندی پرچار کمیٹی کے کوئی ایسا ادارہ نہیں جس نے قابل ذکر کام کیا ہو۔ اس صورت میں سب سے پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ ہر جگہ مادری زبان پر سب سے زیادہ زور دیا جائے اور اگر وہ علاقائی زبان نہیں ہے تو دوسرا نمبر علاقائی زبان کا ہو اور تیسرا انگریزی کا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض ریاستوں میں اقلیتوں کو چار زبانیں پڑھنا پڑیں۔ مثلاً ریاست میسور میں جن کی اردو مادری زبان ہے، انھیں دوسری زبان کنڑ اور تیسری انگریزی کے ساتھ ہندی بھی سیکھنی چاہیے اور اسی طرح پنجاب میں جن کی مادری زبان اردو ہے ان کو اردو کے ساتھ پنجابی اور ہندی اور انگریزی چار زبانیں سیکھنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ مادری زبان اور علاقائی زبان کے ایک ہونے کی صورت میں، دوسری کوئی جدید ہندوستانی زبان اور انگریزی کا مسئلہ آسان ہو جاتا ہے لیکن دوسری اور تیسری زبانوں کے سکھانے میں حسب ذیل اصول بہر حال ملحوظ رکھنے ہیں۔

اس شمارے میں

(۱) عام بول چال کی زبان آسانی سے سمجھ میں آجائے۔
(۲) عام بول چال کی زبان کو بولنا آجائے۔
(۳) اخبار، رسالے اور آسان کتابیں پڑھنا آجائے۔
(۴) اس زبان کو زیادہ سے زیادہ صحت کے ساتھ لکھنا آجائے۔

اگر دوسری اور تیسری زبانوں کی تعلیم کے لیے یہ اصول برتتے ہیں تو ان کی تعلیم کا انتظام تین سال کے لیے نہیں بلکہ کم سے کم چھ سال اور زیادہ سے زیادہ آٹھ سال تک یعنی تیسرے اور پانچویں سے دسویں درجے تک ہونا چاہیے اور اس معاملے میں وقت کی کمی، وسائل کی کمی، اساتذہ کی کمی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

سہ لسانی فارمولے کو ایمانداری کے ساتھ چلانا ہے۔ اس میں مادری زبان کو خواہ وہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی بنیادی اہمیت دینا ہے، پھر دوسری اور تیسری زبانوں کی تعلیم کا چھ سال اور آٹھ سال تک کے لیے انتظام کرنا ہے۔ یہ ہو جائے تو ہماری ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی بنیاد صحیح ہو جائے گی اور آئندہ تعلیمی ترقی کے لیے اور قومی یکجہتی کے لیے خود بخود فضا ہموار ہو جائے گی۔ ریاستی حکومتوں کو، اقلیتوں کو اور ماہرین تعلیم کو مل کر اس پروگرام پر بہر حال عمل کرانا چاہیے۔

ایک مخلص اردو دوست کا انتقال

دہلی۔ ۲۴ راگست۔ آج گاندھی نگر میں اردو کے ایک نہایت مخلص و سرگرم نوجوان شاعر اور ادیب مسٹر نند لال پروانہ کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ پروانہ صاحب کی عمر تیس پینتیس سال کے قریب تھی اور وہ نارتھ بینک سے متعلق تھے۔ بینک کی ملازمت سے قبل کچھ عرصہ تک انھوں نے ایک صحافی کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ گاندھی نگر شاہدرہ میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کے جنرل سکریٹری تھے اور انھیں کی کوششوں سے اس علاقہ میں اردو کی سرگرمیوں کا آغاز ہوا تھا۔ اپنے علاقہ میں وہ سرگرم سماجی کارکن بھی تھے۔ آنجہانی کی موت سے اردو دنیا کو نقصان پہنچا ہے۔ انجمن ترقی اردو دہلی اسٹیٹ کے جائنٹ سکریٹری بہار برنی نے مسٹر پروانہ کی موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے اور ان کے والد و پسماندگان کے ساتھ اظہار تعزیت کیا ہے۔ (الجمعیۃ دہلی)

میر تقی میر مارگ

لکھنؤ۔ ۲۲ راگست۔ میر تقی میر مارگ کا پتھر کل اس سڑک پر نصب کر دیا گیا ہے جو جوبلی کالج کی طرف جاتی ہے۔ اب یہ سڑک میر تقی میر مارگ کہلائے گی۔ آپ کو یاد ہوگا کہ اکتوبر ۱۹۶۶ء میں میر اکادمی نے ایک تجویز کے ذریعہ جس کو متعدد شہریوں نے لاری ہاؤس میں منظور کیا تھا، کارپوریشن سے سفارش کی تھی کہ جوبلی گراؤنڈ کی طرف سے جوبلی کالج کی طرف جانے والی سڑک کا نام میر روڈ رکھا جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ لکھنؤ کے ایک زرین عہد کی تاریخ سامنے آجائے۔ کارپوریشن کا یہ کارنامہ باعث فخر ہے۔ (الجمعیۃ دہلی)

زبان کے مسئلہ پر رائے شماری کیلئے بنگالیوں کا مطالبہ

کلکتہ ۲۰ راگست ہندوستان کی قومی زبانوں کی ترقی کے لیے بنگالی زبان کی انجمن کے صدر مسٹر نریندر دیو نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اردو کو یوپی کی اور میتھلی کو بہار کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے اور انگریزی کو آئین کے آٹھویں شیڈول میں شامل کیا جائے۔ جب تک عوام رائے شماری کے ذریعہ سرکاری کام کاج کے لیے کسی دوسری زبان کو تسلیم نہ کریں اس وقت تک انگریزی میں سرکاری کام کاج ہوتا رہے۔ ہندی صرف ایک علاقائی زبان ہے جسے ہندوستانی عوام کی ایک اقلیت استعمال کرتی ہے ہندی تھوپنے سے غیر ہندی بولنے والے عوام دوسرے درجہ کے شہری بن جائیں گے۔ (دعوت دہلی)

حسن دہلوی کا کلام شائع کر دیا گیا

نئی دہلی۔ ۸ راگست۔ معلوم ہوا کہ تیرھویں چودھویں صدی کے ہندوستانی شاعر حسن دہلوی کا کلام تاجکستان میں شائع کر دیا گیا ہے۔ حسن دہلوی امیر خسرو کی طرح ہندوستان کے بہترین فارسی شاعر شمار ہوتے ہیں۔ ان کا کلام نایاب ہے اور اب تک شائع نہیں ہوا تھا۔ (قومی آواز لکھنؤ)

کشمیری شاعر مہجور کی زندگی پر فلم

سری نگر۔ ۸ جولائی۔ مشہور کشمیری شاعر مہجور کی زندگی کی ایک پوری لمبائی کی فیچر فلم میں عکاسی کی جائے گی۔ مقامی ادیبوں اور حکومت کشمیر کی مدد سے اس سلسلہ میں پلان کو آخری شکل دینے کے لیے ڈائرکٹر پربھات کرنی اور طراح ساہنی بمبئی سے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ حکومت کشمیر اس فلم کے سلسلہ میں کافی مدد دے گی۔ (قومی آواز لکھنؤ)

سہ ماہی "ہم رنگ" کا غزل نمبر

ہوکینٹ۔ ادبی حلقوں میں یہ خبر مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ سہ ماہی "ہم رنگ" غزل نمبر شائع کر رہا ہے۔ اس نمبر میں جدید اردو غزل کے معماروں پر تفصیلی مقالے اور غزل کے امکانات پر بلند پایہ، صنف غزل کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر مضامین شامل ہوں گے۔ اس نمبر کے لیے ہندوستان کے تمام مستند اور مشہور لکھنے والوں نے تعاون کا وعدہ کیا ہے۔

احمد وقار واثقی

ایڈیٹر سہ ماہی "ہم رنگ" ہوکینٹ ، ایم۔ پی

ابو علی

مولوی محبوب الرحمٰن کلیم بی اے

ہماری زبان علی گڑھ ۲۲ مارچ ۱۹۶۵ء میں جعفر حسن صاحب نے محبوب الرحمٰن کلیم کا پتہ دریافت فرمایا تھا معلوم نہیں ان کو جناب کلیم کا پتہ ملا یا نہیں، یہ محبوب الرحمٰن کلیم کون بزرگ ہیں، کہاں کے رہنے والے ہیں، مشغلۂ زندگی کیا ہے، عمر کتنی ہے، پھر ادب و زبان سے ان کا کیا خاص تعلق ہے اردو زبان کی کیا خدمات انجام دی ہیں، وہ صاحب دیوان شاعر ہیں، یا کبھی طبیعت موزوں ہوتی ہے، تو کچھ کہہ لیتے ہیں، ان سب چیزوں پر پردہ پڑا ہوا ہے جس کو وقت کے کوئی محقق اور ریسرچ اسکالر ہی اٹھا سکتے ہیں اور ان کو منظر عام پر لاسکتے ہیں، ہماری زبان برابر ہمارے مطالعہ میں رہتا ہے، اور ہم اس کا ایک ایک صفحہ بڑے غور و دلچسپی اور شوق سے پڑھتے ہیں، لیکن ہم کو آج تک اس کی کسی اشاعت میں محبوب الرحمٰن نام کلیم تخلص کے کسی شاعر کا کوئی کلام نظر سے نہیں گذرا، لیکن اس دریافت حال سے ایک اور محبوب الرحمٰن کلیم کی یاد تازہ ہو گئی، جو زمانۂ قریب میں اعظم گڈھ میں گذرے ہیں، یہ مولانا شبلی کے مولد موضع بندول کے قریب ایک دوسرے مردم خیز گاؤں جیراج پور کے رہنے والے تھے۔ اور اعظم گڈھ میں وکالت کرتے تھے، ان کا بھی تخلص کلیم تھا، تعلیم انھوں نے کانپور اور آگرہ وغیرہ میں پائی تھی، کچھ دنوں کے لیے مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں مدرس بھی ہو گئے تھے، انگریزی میں بی۔ اے۔ ایل۔ ایل بی ہونے کے ساتھ عربی و فارسی کے بھی زبردست اور متبحر عالم تھے، اور عربی درسگاہوں کے بڑے بڑے فضلا سے آنکھ ملاتے تھے مولانا عبد السلام ندوی صاحب شعر الہند نے ندوہ میں آنے سے پہلے اپنی طالب علمی کا کچھ زمانہ ان کے ساتھ بھی گذرا ہے، بلکہ انہی کے ساتھ وہ عربی تعلیم کے لیے کانپور اور آگرہ گئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب گھر گھر شعر و شاعری کا چرچا تھا، اور آگرہ اس کا بڑا مرکز تھا، چنانچہ یہ دونوں حضرات طلب علم کے ساتھ یہاں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے، اور داد سخن دیتے تھے، مولانا عبد السلام کی شعر گوئی و سخن فہمی و ذوق ادب میں مولوی محبوب الرحمٰن صاحب کلیم کی صحبت اور آگرہ کے ان مشاعروں کو بڑا دخل ہے، جس کا اعتراف خود مولانا عبد السلام ندوی کو بھی تھا، یہ مولانا عبد السلام ندوی کے بہت قریبی رشتہ دار بھی تھے یعنی ان کی ہمشیرہ مرحومہ ان سے منسوب تھیں، محبوب الرحمٰن صاحب کلیم شاعر ہونے کے ساتھ اردو کے ایک اچھے مصنف بھی تھے، ان کی ایک کتاب جہاں آرا بہت مشہور ہے، یہ مونس الارواح کی مصنفہ شاہ جہاں کی چہیتی لڑکی اور دارا شکوہ کی ہمدرد و غمگسار بہن، جہاں آرا کی سوانح عمری ہے جس میں مستند حوالوں سے جہاں آرا بیگم کے سوانح و حالات، اس کے مارل سوشل، اور پولیٹیکل کارناموں اور مورخین یورپ کی نکتہ چینیوں پر بڑی محققانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ اس کی تالیف و طبع و اشاعت کے بہت زمانہ کے بعد ضیاء الدین برنی نے بھی اسی نام سے جہاں آرا پر ایک کتاب لکھی ہے، جو بہت حد تک مولوی غلام یزدانی صاحب ایم اے (سپرنٹنڈنٹ محکمۂ آثار قدیمہ حیدرآباد دکن) کے ایک فاضلانہ و محققانہ مضمون متعلق بہ جہاں آرا سے مستفاد ہے جن کا مولف نے دیباچہ میں شکریہ بھی ادا کیا ہے اور ان کو بہت سراہا ہے اسی کے ساتھ اس کی ترتیب میں دوسرے ماخذ سے بھی پوری مدد لی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب ترجمہ ہونے کے بجائے بالکل اوریجنل ہو گئی ہے، بہت شگفتہ اور برجستہ، لیکن بہر حال الفضل للمتقدم تقدم کا شرف محبوب الرحمٰن کلیم ہی کو حاصل ہے۔

یہ کتاب اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہے جب وہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں درس و افادہ کی خدمت پر مامور تھے، کتاب تو انھوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے لکھنے کو تو لکھ دی، لیکن ان کے اعلیٰ ذوق کے معیار پر کسی طرح پوری نہیں اترتی تھی، اس لیے پبلک میں اس کو پیش کرنے میں ان کو بڑا تامل تھا، مدتوں اس میں کاٹ چھانٹ کرتے رہتے تھے۔ مولانا اسلم جیراجپوری نے جن کو ان سے ہم وطنی کے ساتھ رشتہ داری کا بھی تعلق تھا، اس کی اشاعت کی خواہش کی، تو نہایت حسرت کے ساتھ فرمایا کہ جس مقصد سے میں یہ کتاب لکھنا چاہتا تھا، اس کی تکمیل میں مجھ کو بڑی ناکامی رہی، اس میں اس نامور اور صاحب علم و فن بیگم کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اس سے اس کی تصویر مکمل نہیں ہونے پائی ہے، اس کو شائع کرنے سے کیا فائدہ، یہ محض ان کی خاکساری تھی، ورنہ یہ کتاب مولانا اسلم جیراجپوری کے نزدیک جو خود بھی متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں، ہر لحاظ سے جامع اور مکمل تھی، اس لیے اس کا منظر عام پر آنا بہت ضروری سمجھتے تھے، اور اس کے لیے برابر ان سے تقاضا کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کا تقاضائے شوق مولف کے انکار پر غالب آگیا، اور وہ طبع و اشاعت کے لیے راضی ہو گئے، اگر مولانا اسلم کا اصرار مولف کے انکار پر غالب نہ آتا، تو ایسی مفید، اہم اور معلومات افزا کتاب منظر عام پر آنے سے ہمیشہ کے لیے رہ جاتی۔

ان کے صاحبزادے مسعود الرحمٰن صاحب بھی جو شبلی کالج میں تاریخ کے لکچرر تھے شاعر تھے، اور قدیم تخلص کرتے تھے، اور مقامی کلام کے نام سے ان کا ایک مختصر دیوان بھی شائع ہو گیا ہے، جو

(باقی صفحہ ۱۰ کالم ۱)

ڈاکٹر خلیق انجم

قاضی عبدالودود کی اشتر و سوزن کے تین صفحے

محترمی قاضی عبدالودود جیسے محقق پر اردو ادب جتنا ناز کرے کم ہے۔ لیکن انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ ان کی صلاحیتیں معمولی کاموں کی نذر ہو چکی ہیں۔

حال ہی میں قاضی صاحب قبلہ کی ایک نئی کتاب "اشتر و سوزن" شائع ہوئی ہے۔ جس میں دو مشہور کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ قریب بہ یقین ہے کہ اس کی صحت خاطر صرف غلطیاں نکالنا ہے۔ قاضی صاحب کا یہ فعل اس وقت تو جائز تھا جب وہ غلطیوں کے مرتکب نہ ہوتے لیکن ایسی صورت میں جب کہ وہ خود بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں، کیا انھیں کسی پر پتھر ... نے کا حق ہے؟

"اشتر و سوزن" میں قاضی صاحب سے جتنے سہو ہوئے ہیں، ان کا تفصیلی ذکر تو آئندہ کبھی کروں گا۔ یہاں صرف اس کتاب کے ٹائیٹل سرورق اور ٹائیٹل کی پشت یعنی کل تین صفحوں کی تحریروں کا جائزہ لینا مقصود ہے۔

① ٹائیٹل پر یہ اطلاع دی گئی ہے کہ کتاب "ادارہ تحقیقات اردو" نے شائع کی ہے۔ لیکن پوری کتاب میں کہیں یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ ادارہ پاکستان میں ہے، ہندوستان میں یا ایران میں۔ اور اگر فرض کیجیے ہندوستان میں ہے۔ تو کس شہر میں۔ سرورق پر دہلی کے ایک پریس کا نام دیا گیا ہے۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ ادارہ دلی میں ہوگا لیکن دلی کے باشندے کی حیثیت سے میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ دلی میں اس نام کا کوئی ادارہ نہیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) نے جتنی کتابیں شائع کی ہیں سب پر اورنگ آباد، یا دلی یا علی گڑھ ضرور لکھا ہوا ہے۔ کیا مستقبل کے محقق کے لیے یہ پریشانی کا باعث ہوگا۔

② سرورق پر مطبع کا نام "مطبع کوہ نور دہلی" دیا گیا ہے۔ پوری تلاش اور جستجو کے باوجود مجھے دہلی میں اس نام کا کوئی مطبع نہیں ملا۔ البتہ کوہ نور پرنٹنگ پریس ضرور دلی میں ہے۔ اگر قاضی صاحب کی مراد اسی پریس سے ہے تو پریس کا نام بدلنے کا حق کسی کو نہیں۔ دلی میں ایک پریس کا نام "ڈائمنڈ آفسٹ پریس" اور دوسرے کا "ڈائمنڈ آفسٹ ورکس" ہے اور دونوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ انجم پرویز کی انشاء اللہ خان انشا، رشید حسن خاں کی باغ و بہار اور رفیہ سلطانہ کی سحر البیان اسی پریس میں شائع ہوئی تھیں۔ اور ان سب کتابوں پر "کوہ نور پرنٹنگ پریس" لکھا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ غلام مصطفےٰ خاں یک رنگ اور مصطفےٰ خاں یک رنگ میں فرق کرنے والے قاضی صاحب "مطبع کوہ نور" اور "کوہ نور پرنٹنگ پریس" میں ضرور فرق کریں گے۔

③ ٹائیٹل پر سنہ طباعت ۱۹۹۵ء دیا گیا ہے۔ لیکن کتاب کھولتے ہی سرورق پر سنہ طباعت ۱۹۹۴ء ہے۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان میں سے کون سا سن درست ہے۔ ممکن ہے کتاب ۱۹۹۴ء میں چھپی ہو۔ اور اس کا ٹائیٹل ۱۹۹۵ء میں چھپا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ کتاب کی اشاعت ۱۹۹۵ء میں ہوئی۔ چونکہ سنہ طباعت اور سنہ اشاعت کے فرق سے بھی بہت سی اہم معلومات فراہم ہوتی ہیں اس لیے چاہیے تھا کہ کتاب کے اختتام پر اس فرق کی تفصیل بیان کی جاتی۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جلد خراب ہونے پر کتاب کی دوسری جلد بنوائی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں سنہ اشاعت محفوظ نہیں رہے گا۔ اور مستقبل میں ایک محقق سنہ اشاعت ۱۹۹۴ء اور دوسرا ۱۹۹۵ء بتلائے گا۔ قدیم کتابوں میں اس قسم کی غلطیاں مل جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں صرف قاضی صاحب کے الفاظ دہراؤں گا جو انھوں نے تذکرہ سرور کے بارے میں کہے ہیں: "... اس کا سال اشاعت ۱۹۶۱ء ہے ۱۸۶۱ء نہیں۔"

④ سرورق پر کتاب کی قیمت چار روپے درج ہے۔ جب کہ پشت پر دو جگہ اس کتاب کی قیمت لکھی ہے اور دونوں جگہ تین روپے اسی پیسے ہے۔ معلوم نہیں قاضی صاحب کس قیمت کو درست قرار دیتے ہیں۔ ممکن ہے جب سرورق چھپا تھا تو اس کی قیمت چار روپے طے ہوئی ہو۔ اور ٹائیٹل چھپنے تک ارادہ بدل گیا ہو۔ اس صورت میں سرورق دوبارہ چھپوانا تھا۔

قاضی صاحب نے "اشتر و سوزن" میں تحریر فرمایا ہے۔

"مقدمۂ مرتب کے آخر میں ہے: "احتیاط کے باوجود طباعت میں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان کو اردو طباعت کی روایت سمجھ کر گوارا کیا ہے۔" یہ عذر اگر نول کشور کی طرف سے ہوتا جو کتابیں بہت ارزاں بیچتے تھے اور سنگی مطبع میں چھپواتے تھے۔ تو سنا بھی جاتا۔ کتاب جلی ٹائیپ میں چھپی ہے (باستثنائے حواشی) اور قیمت بھی زیادہ ہو تو قابل قبول نہیں۔ مزید یہ کہ کتاب میں غلط نامہ شامل نہیں۔ یہ تو کسی مستشرق نے نہ کہا ہوگا کہ چھاپے کی غلطیاں رہ جائیں تو ان کی نشاندہی نہ کی جائے۔" (ص ۱۰)

اب چھاپے کی وہ غلطیاں ملاحظہ فرمایئے جو "اشتر و سوزن" کے ان تین صفحوں میں ہیں۔

⑤ سرورق پر عبارت ہے "مطبع کوہ نور دہلی میں چھپا" مجھے یقین ہے کہ قاضی صاحب بھی کتاب کو مونث سمجھتے ہیں۔ اور یہ بظاہر چھاپے کی غلطی ہے۔

(بقیہ صفحہ پر)

غزلیں

وزیر آغا

کبھی پھولوں پہ موتی بن گئے ہو
کبھی چپ چاپ مٹی ہو گئے ہو
گھنے جنگل میں گم رستہ ہوا ہے
بھری محفل میں تنہا ہو گئے ہو
سنو تم صبح کی دستک کا نغمہ
کہاں تاریکیوں میں کھو گئے ہو
ہوا تو ہر چمن سوئے اڑی ہے
تمہیں بے دست و پا سے ہو گئے ہو
ہزاروں بار پہلے بھی گئے تھے
مگر اس بار پتھر ہو گئے ہو

احمد وقار واثقی

اٹھو جلوہ گرو جدھر جاؤ — بے نیازانہ کیوں گزر جاؤ
چاند کو دیکھنے لگی دنیا — بام سے اب تو تم اتر جاؤ
تم سے ملنا ہو جیسے کوئی کام — ہو چکا کام اپنے گھر جاؤ
زندگی کی ہے ایک ہی صورت — وہ ڈرائیں اگر تو ڈر جاؤ
جانے کیا کیا کہیں گے لوگ — کچھ نہ کچھ کام تم بھی کر جاؤ
آؤ آدمی کے ساتھ چلو — اپنی منزل سے کچھ اتر جاؤ
[illegible] ایک دن ہی سہی — ایک دن کے لیے ٹھہر جاؤ
تم سمجھدار ہو جناب وقار — کام تو ہو چکا ہے گھر جاؤ

ذوق آفریدی

تم سے تھے اور آلام بہت تھے
اور وہ صبح و شام بہت تھے
تجھ میں بھی کچھ بات ہے ورنہ
دیوانے بدنام بہت تھے
میں ہی رہا اک پیاس کا مارا
مے خانے میں جام بہت تھے
چند ہی نظریں واں تک پہنچیں
نظارے ہر بام بہت تھے
زانو و سر کی لاج رہی ہے
پتھر سے ہر گام بہت تھے
آپ مرا کیوں دم بھرتے ہیں
مجھ پر بھی الزام بہت تھے
ظفر ذوق کو تم سے پہلے — تیرے میرے کام بہت تھے

کچھ مضطر خیرآبادی کے بارے میں

خلیل اللہ خاں

میرے ساقی نے مری تربت پہ آکر مضطر
یہ دعا دی ہے کہ تربت تری میخانہ بنے

اعتبار الملک مضطر خیرآبادی کو کون نہیں جانتا یعنی فلمی شاعر جاں نثار اختر کے مرحوم والد محترم مضطر کی شاعری سوز و گداز، اضطراب اور غم ہائے زندگی کے نقوش سے مالا مال تو ہے ہی لیکن انھوں نے سادہ اور [illegible] میں اور ہندی الفاظ کا کافی استعمال کیا۔ آج اس بات کا بھی انکشاف ہو چکا ہے کہ ان کی بہت سی غزلیں دوسرے شعرا کے نام سے منسوب ہو کر عوام میں مقبول ہوئیں مثال کے طور پر یہ غزل جس کا ایک شعر ہے

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں — جو کسی کے کام نہ آ سکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں

یہ غزل عوام میں بہت مقبول ہے اور بہادر شاہ ظفر کی غزل کہی جاتی ہے۔ لیکن تحقیق نے یہ روشن کر دیا کہ یہ مضطر خیرآبادی کی ہے۔

خیرآباد ایک زمانے میں شعرا کا مرکز تھا جس نے لسان الملک ریاض جیسے [illegible] اعتبار الملک مضطر جیسے الہامی شاعر اور آغائے سخن وسیم جیسے بیش بہا گوہر سخن کو جنم دیا۔

اس کے علاوہ نثار، کوثر، شمیم، ہاشم، وارثی اور سعید خیرآبادی کو شعر و شاعری کی تاریخ کے باب میں کبھی بھول نہیں سکتے۔

مضطر کے کلام میں کبھی خمریات کا عنصر ملتا ہے۔ اس کا ثبوت ان کے مندرجہ ذیل غیر شائع شدہ کلام سے دیتا ہوں، جو مجھ کو ان کے ایک بہت قریبی رشتہ دار سے دستیاب ہو سکا یہ صاحب مضطر صاحب کے آبائی مکان میں ہی رہتے ہیں۔

یہ چیز قابل تعریف ہے کہ ایک شاعر جو زندگی بھر روتا رہا جس نے مرثیے لکھے جس نے سلام کہے اور جس نے ایسی غزلیں لکھیں جو کرب و درد میں ڈوبی ہوئی ہیں انھوں نے میکدہ کا کیا اچھوتا رنگ باندھا ہے۔

میکدہ

دستگیری کچھ تو کر اے دستگیر میکدہ — ایسی پلوا دے کہ خود بن جاؤں پیر میکدہ
عاشقی نے خدمت پیر مغاں کے واسطے — میری مٹی کو بنایا ہے خمیر میکدہ

صبح ساقی کی طرف بستی میں ساقی [illegible] — ایک سجدہ میں [illegible] میکدہ

پہلے رندوں کا لقب تھا کامیاب [illegible] — اب انھیں کو کہتے ہیں خانہ خراب میکدہ
ساقی کو شرم آئی ہے رندوں سے پردہ رکھ لیا — چشم ساغر میں دھو ڈالا حساب میکدہ
جب سے مضطر ساقی کو تو نے [illegible] — میکشی کو سمجھے ہوں حساب میکدہ

ساقی تیرے میکش کا [illegible] — [illegible] کام آیا
ساقی نے [illegible] — [illegible] مضطر [illegible] کام آیا

صفحہ ۴ سے آگے

⑥ پشت پر سات کتابوں کا اشتہار ہے۔ اور گنتی اس طرح دی گئی ہے ۱۔۱۔۲۔۴۔۵۔۶۔۷، یہ بھی بظاہر چھاپے کی غلطی ہے۔ صرف ان تین صفحوں ہی میں نہیں۔ بلکہ پوری کتاب میں چھاپے کی غلطیاں موجود ہیں۔ مثلاً

غذف بجائے حذف ص ۲۴

انھیں بجائے انھیں ص ۲۷

نگارستہ نشاط بجائے گلدستۂ نشاط ص ۳۳

اس کے باوجود کتاب میں غلط نامہ شامل نہیں کیا گیا۔ ان غلطیوں کے ہوتے ہوئے کیا قاضی صاحب کو یہ کہنے کا حق ہے "یہ تو کسی مستشرق نے نہ کہا ہوگا۔ کہ چھاپے کی غلطیاں رہ جائیں تو ان کی نشاندہی نہ کی جائے۔"

⑦ پشت کے اشتہار میں "عیارستان" کو مجموعہ مضامین بتایا گیا ہے۔ جبکہ عیارستان کے دیباچے میں قاضی صاحب خود ان تحریروں کو تبصرے کہتے ہیں۔ تبصرے اور مضمون میں جو فرق ہے اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

⑧ اشتہار میں عیارستان کی قیمت دو روپے ستر پیسے بتائی گئی ہے۔ جبکہ اس کتاب پر غیر مجلد کتاب کی قیمت دو روپے پچیس نئے پیسے اور مجلد کی دو روپے ستر نئے پیسے بتائی گئی ہے۔ یہی تفصیل اشتہار میں دی تھی۔

⑨ اس اشتہار میں "اشتر و سوزن" کو بھی مجموعہ مضامین لکھا گیا ہے۔ جبکہ "عیارستان" کی طرح یہ بھی تبصروں کا مجموعہ ہے۔

اس مختصر سے مضمون کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ میں بزرگوں کی غلطیاں پکڑ کر اپنی اہمیت اور قابلیت کا رعب جمانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس کا پورا اعتراف ہے کہ میری کتابوں میں وہ تمام غلطیاں ہیں گی، جو تحقیق کرنے والوں سے ہوتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور عرض کروں گا کہ کوئی محقق یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ اس سے تحقیقی غلطیاں نہیں ہوئیں۔ قاضی صاحب قبلہ جیسی اعلیٰ صلاحیتوں کے انسان کو ان معمولی قسم کے کاموں میں نہیں الجھا رہنا چاہیے دوسرے لوگوں کی غلطیاں نکالتے رہنے کی بجائے اگر وہ ہمیں تحقیق کے بنیادی اصولوں سے واقف کریں تو یہ اردو ادب پر احسان ہوگا۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ تحقیق میں سنین اور ناموں کی درستی اہم چیز ہے۔ لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تحقیق صرف یہی نہیں ہے۔

صفحہ ۳ سے آگے

زیادہ تر غزلیات پر مشتمل ہے افسوس کہ عین عالم شباب میں ان کا انتقال ہو گیا، ورنہ ان سے بھی شعر و سخن اور علم و ادب کی گوناگوں خدمات انجام پاتیں اردو کے مشہور مضمون نگار اور ناقد فیض الرحمٰن اعظمی جنھوں نے علم و ادب کا بڑا اچھا ذوق پایا ہے، اور شبلی کالج کے لائبریرین ہیں، انہی کے خلف الرشید اور جناب کلیم کے پوتے ہیں۔ شبلی پر ایک تھیسس لکھ رہے ہیں اگر یہ مکمل ہو گئی، تو اردو کے خزانہ میں ایک بیش قیمت چیز کا اضافہ ہوگا، ان کے اعلیٰ ادبی ذوق اور تحقیق کی غیر معمولی صلاحیت کی بنا پر، علم و ادب سے متعلق ان سے بڑی توقعات ہیں، امید ہے کہ ان کو وہ پورا کریں گے، اور اردو ادب میں اپنے شایان شان اونچا مقام حاصل کریں گے۔

اعظم گڑھ میں کلیم تخلص کے ایک اور شاعر بھی ہیں جن کا نام منظور الحق کلیم ہے، یہ قصبہ گھوسی کے ایک مشہور گاؤں بی بی پور کے رہنے والے ہیں ان کا سلسلہ نسب کئی پشت میں جاکر چریاکوٹ کے مشہور خانوادہ علم و فن سے جس کے چشم و چراغ مولانا عنایت رسول، مولانا فاروق چریاکوٹی تھے، مل جاتا ہے یہ ۱۹۳۳ء تک گورنمنٹ ہائی اسکول فتح گڑھ میں پرشین کے ٹیچر تھے، وہیں کے زمانۂ قیام میں، ان کے کلام کا ایک مجموعہ، جو تمام تر رباعیات پر مشتمل ہے، "جام عرفان" کے نام سے فتح گڑھ کے سلطان پریس میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ ان رباعیات کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے بلکہ تصوف کی ایک بلند پایہ اردو کتاب اکمال الشیم مولفہ مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی کے مضامین کو "الف" "الف" عنوان کے تحت رباعیات میں منظوم کر دیا گیا ہے، جو اس صنف سخن پر شاعر کی موزونیٔ طبع اور قدرت کلام کی شاہد عدل ہے۔

مراسلات

تحقیق "شہید اعظم"

"تحقیق شہید اعظم" کے متعلق ہماری زبان کے مختلف شماروں میں جناب عبدالوہاب اور جناب ابو سلمان شاہ جہاں پوری کے مضامین نظر سے گزرے تھے۔ ۸ جولائی کے شمارے میں محترم ابوذر عثمانی صاحب کا مضمون بھی نظر سے گزرا۔ ویسے میں کوئی نکتہ داں تو ہوں نہیں لیکن موصوف کے "صلائے عام" پر لبیک کہنے کو جی چاہا اور اس جی چاہنے کا سبب علامہ سید سلیمان ندوی کا وہ خط ہے جس کا فوٹو پرنٹ مجھے کچھ دنوں پہلے حضرت شاہ فضل امام صاحب واقف آروی مدظلہ نے عنایت فرمایا تھا۔

مسئلہ زیر بحث پر علامہ سید سلیمان ندوی کے اس خط سے بڑی حد تک روشنی پڑتی ہے اور اکثر گوشے اجاگر ہوتے ہیں میرا مقصد یہاں پر صرف علامہ کے اس خط کو پیش کر دینا ہے اپنی طرف سے مزید کچھ کہنا بجا نہیں سمجھتا۔ دنیائے علم و ادب میں سید صاحب کا نام امانت بھی ہے اور ضمانت بھی ہے۔ ذیل میں ان کے خط کی بجنسہٖ نقل پیش کرتا ہوں۔ ارباب نظر مسئلہ زیر بحث میں اس کی قیمت و اہمیت کا اندازہ لگا سکیں گے۔

"نقل خط"

مکرمی السلام علیکم

عنایت نامہ کا شکریہ، آپ نے جو دریافت فرمایا ہے اس کے جواب میں حقیقت حال عرض کی جا سکتی ہے مگر چونکہ اڈیٹر الہلال کے جدید ناآشنا روناشناس مداحین نے اس کو فتنہ زائی کا سامان بنا لیا ہے اور آپ کے علی گڈھ میں سے ایک فتنہ ابھی اٹھ چکا ہے۔ اس لیے تامل ہوا کہ میری اس تحریر کو بھی فتنہ کا نیا سامان نہ بنا لیا جائے لیکن چونکہ آپ نے متانت اور سنجیدگی سے ایک بات پوچھی ہے اس لیے یہ چند سطریں حوالۂ قلم ہیں۔

اس عہد کے نوجوانوں کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ مولانا ابوالکلام اور مولانا شبلی اور ان کے متعلقین کے درمیان محبت اور تعاون کے کیسے تعلقات تھے جو ہمیشہ قائم رہے۔ نواب صدر یار جنگ سے بھی موصوف کو جو تعلق اور شناسائی حاصل ہوئی وہ بھی اسی آستانہ کا فیض تھا۔ اب جو شخص اپنے طرز عمل سے اس سے اعراض برتتا ہے وہ حقیقت میں احسان فراموش ہے۔ زندوں کی مدح سے مردوں کا مرثیہ زیادہ مشکل ہے کیونکہ مردہ سے کسی صلہ کی امید نہیں ہو سکتی۔

بہرحال مولانا ابوالکلام نے جب الہلال نکالا تو ایک ہی دو اشاعتوں کے بعد ان کو اپنے لیے مددگار کی ضرورت پیش آئی۔ مولانا شبلی کو انھوں نے لکھا۔ مولانا نے مجھ سے مشورہ پوچھا، میں نے ایک تازہ ندوی خواجہ عبدالواحد صاحب ندوی کا نام پیش کیا جو انگریزی بھی جانتے تھے چنانچہ وہ بھیجے گئے اور شروع سے آخر تک وہ الہلال میں رہے انگریزی و عربی کے تراجم سب الہلال میں انھیں کے قلم کے ہیں۔ خواجہ صاحب اب بھی موجود ہیں اور اب وہ بحمد اللہ ایم۔اے ہیں اور کانپور میں مشن کالج میں عربی و فارسی کے پروفیسر ہیں، وہ سب حقیقت حال سے واقف ہیں۔

اس زمانہ میں الہلال ایک سیاسی بین الاسلامی تحریک سمجھی جاتی تھی اور مجھے حضرۃ الاستاذ کی تربیت و صحبت میں اس سے دلچسپی تھی۔ اس لیے مولانا ابوالکلام کے کہنے سے میں مولانا شبلی صاحب کے پاس سے مولانا ابوالکلام کے پاس الہلال چلا آیا، اس کا ذکر آپ کو مکاتیب شبلی میں ملے گا۔

بہرحال چار پانچ ماہ ان کے ساتھ رہا میرے ہی ساتھ میرے دوست اور استاد اور البیان اور وکیل کے سابق اڈیٹر مولانا عبداللہ عمادی بھی الہلال میں آ گئے، وہ بھی چند ماہ رہے۔ ہم لوگ کوشش کرتے تھے کہ تحریر میں ابوالکلام صاحب کے طرز تحریر کی تتبع کریں اس لیے الہلال میں جو کچھ لکھا جاتا تھا وہ اسی رنگ میں لکھا جاتا تھا، میرے اور عمادی صاحب کے چلے جانے کے بعد مولانا عبدالسلام صاحب ندوی جو اب دار المصنفین کے مشہور مصنف ہیں الہلال میں گئے اور

آخر تک رہے۔

اب ظاہر ہے کہ ہم لوگ جو وہاں شریک تحریر و ادارت تھے کچھ نہ کچھ ہر ہفتہ لکھا ہی کرتے تھے اور جو لکھا جاتا تھا وہ چھپتا بھی ہوگا، ورنہ بغیر کام لیے کون ہمیں تنخواہ دے سکتا تھا، لیکن یہ ضرور ہے کہ ہماری تحریروں میں ایڈیٹر صاحب کچھ اضافہ اور کچھ کمی کرتے رہتے تھے اور اس لیے ایسی تحریروں کو نہ ہم اپنی پوری کہہ سکتے ہیں اور نہ ایڈیٹر صاحب اپنی کہہ سکتے ہیں۔

اسی درمیان میں مسجد کانپور کے واقعہ کے زمانہ میں ایڈیٹر صاحب کسی مصلحت سے مہینے دو مہینے کے لیے مسوری تشریف لے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں میری اور عمادی صاحب کی تحریریں ان کے تصرف کے بغیر شایع ہوئیں۔ ان تحریروں میں شہید اکبر، اللہ کا رشتہ، دل قرآن، قصص بنی اسرائیل وغیرہ مضامین میرے ہیں۔ اب اس وقت نہ الہلال سامنے ہے اور نہ مجموعہ مضامین ابوالکلام مگر جہاں تک یاد آتا ہے حرمت اسلام کے سلسلہ میں اسلام کے نظام سیاسی کا مضمون میں نے لکھا تھا جو اس سے پہلے الندوہ میں اسلام اور اشتراکیت کے عنوان سے چھپ چکا تھا۔ اس کو دوبارہ الہلال کے رنگ میں لکھا مولانا نے اس میں انقلاب فرانس وغیرہ مسائل کا اضافہ فرمایا ہے۔

اسی طرح دوسرا مضمون تاریخ حبشہ کے چند گم شدہ اوراق میرا مضمون ہے جو مقریزی کے رسالہ کی تلخیص ہے اس میں بھی مولانا نے کچھ دخل در معقولات کرکے شایع کیا۔ اسی طرح کشف ساق، اسوۂ نوحی اور اسوۂ ابراہیمی وغیرہ مضامین عمادی صاحب کے ہیں۔ العرب فی القرآن یا فی الاسلام کا مضمون عبدالسلام صاحب کا ہے۔ انسانیت موت کے دروازہ پر غالباً عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کا مضمون ہے مگر ناشرین نے ان سب کو ابوالکلام صاحب کے نام سے شایع کیا ہے۔ اس میں ابوالکلام صاحب کا قصور خاموشی کے سوا کچھ دوسرا نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی شہرت کے لیے ہمارے قلم کے محتاج نہیں ہیں اور ہم لوگ بھی ان کے محتاج نہیں مگر یہ ایک واقعہ ہے۔

والسلام

سید سلیمان ندوی

۲۸ر جون ۱۹۵۲ء

میرا خیال ہے کہ اتنے ثقہ لوگوں کے اور اتنے معتبر شواہد کی موجودگی میں شہید اعظم، جو انسانیت موت کے دروازہ پر کا ایک حصہ ہے مولانا ابوالکلام آزاد یا کسی فرضی ابوالکلام آزاد کے نام منسوب کرنا خالی از حماقت نہیں۔

کیا عجب کہ اہل نظر کچھ اور شہادتیں ڈھونڈ نکالیں۔

طلحہ رضوی برقؔ

(صدر شعبۂ اردو و فارسی ایچ۔ ڈی۔ جین کالج آرہ)

غلطی ہائے کتابت

ہماری زبان مورخہ ۸ر اگست ۶۵ء باصرہ نواز ہوا۔ سہو کتابت میں ریختہ کو ریختہ یا شاخ کو ساخ لکھ دینا تو شاید کوفت کا باعث نہ ہو۔ شری دیبندر پرشاد سکسینہ کا "طلبہ" بھی کڑوا گھونٹ بنا کر حلق سے اتارا جا سکتا ہے ورنہ طلبہ تو مصری اخبارات میں بھی آرہا ہے۔ مگر خوش نویسان علی گڑھ کا ہماری زبان کے صفحہ ۲ کے دوسرے کالم کی آخری سطر اور صفحہ ۱ کے دوسرے کالم کی تیسویں سطر میں بعد اذاں کو دونوں جگہوں پر بعد ازاں لکھنا ذہن پر بار بن جاتا ہے اردو زبان کو زیر دستی مسلمان بنانے کی کوشش نامسعود ہے۔

(آغا خلش کاشمیری)

شعراء سے گزارش

اردو میں لکھے گئے رومانی گیتوں کا ایک مجموعہ نیز نئی نسل کے غزل گو شعراء کی غزلوں کا ایک انتخاب زیر ترتیب ہے۔ شعراء حضرات سے التماس ہے کہ اپنی نگارشات جلد از جلد عنایت فرما کر ممنون کریں۔

معصوم شیر گھاٹوی

بارہ چکیا۔ چمپارن

بہار

انجمن ترقی اردو شاخ کلیان کے انتخابات

حسب اعلان انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ کلیان کے سالانہ انتخاب کے سلسلے میں ایک میٹنگ ۷، اگست کی شب جناب شمس کنول صاحب کی صدارت میں تانگی ہاؤس" واقع مچھلی بازار (گونڈی محلہ) پر منعقد ہوئی۔ سب سے پہلے غلام مصطفےٰ تانگی نے انجمن ترقی اردو (ہند) کا آئین پڑھ کر سنایا جس کے بعد انجمن ترقی اردو شاخ کلیان کے انتخابات ہوئے جناب عظیم الدین روپے صاحب صدر، جناب انس حیدر آبادی نائب صدر، غلام مصطفےٰ تانگی جنرل سکریٹری، شری پدماکر جوشی جوائنٹ سکریٹری اور جناب خلیل خاں اکبر آبادی خزانچی منتخب ہوئے۔ بعد ازاں مجلس عاملہ کا انتخاب عمل میں آیا جس میں جناب شمس کنول (۲) جناب انیس صاحب (۳) جناب حنیف دلارے (۴) جناب شبنم اکبر آبادی (۵) جناب باقر ناز (۶) جناب ساقی بخاری (۷) جناب شیخ اسماعیل امام (۸) اور جناب معین الدین ملا متفقہ طور پر منتخب ہو گئے۔

آخر میں غلام مصطفےٰ تانگی نے حاضرین سے انجمن ترقی اردو کے ممبر بننے کی اپیل کرتے ہوئے اس امر کا اظہار بھی کیا کہ اب تک انجمن ترقی اردو شاخ کلیان کے ایک سو ایک ممبر بنائے جا چکے ہیں۔

(غلام مصطفےٰ تانگی جنرل سکریٹری)

شاخ چنڈی گڑھ کی ادبی نشست

چنڈی گڑھ ۴ اگست۔ انجمن ترقی اردو ہند چنڈی گڑھ کی ایک علمی و ادبی نشست ڈاکٹر ست پرکاش سنگر کے دولت کدہ پر منعقد ہوئی جس کی صدارت اردو کے مشہور طنز نگار پرنسپل کنھیا لال کپور نے فرمائی۔ نشست میں متفقہ رائے سے مندرجہ ذیل عہدہ داران کا انتخاب ہوا۔

سرپرست:۔ ۱۔ پرنسپل کنھیا لال کپور۔
۲۔ جناب جگدیش چندر بھولا آئی اے ایس
صدر:۔ ڈاکٹر ست پرکاش سنگر
نائب صدر:۔ ۱۔ جناب روشن پٹیالوی
۲۔ جناب بادا کرشن گوپال مغموم
۳۔ جناب رشی پٹیالوی
سکریٹری:۔ جناب نریش ایم۔ اے شعبۂ ہندی پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ۔
قانونی مشیر:۔ جناب کرشن صاحب ایڈوکیٹ۔

بعد ازاں محفل مشاعرہ منعقد ہوئی جس میں حضرات بادا کرشن گوپال مغموم، شباب للت، رشی پٹیالوی، کرشن کمار صاحب نریش، چاندر پرکاش قمر، پرکاش ناطق، پرویز اور دیویندر سنگھ ودیارتھی نے کلام پڑھا۔ پرنسپل کپور نے چند پیروڈیاں سنائیں اور صدارتی تقریر میں فرمایا کہ زبان اردو ہندوستانیوں کے اجتماعی لاشعور میں گہرا اثر کر چکی ہے۔ اور اس کا ختم ہونا ممکن نہیں۔

نریش ایم۔ اے
(سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند چنڈی گڑھ)

یوم آزادی کے سلسلے میں شاخ جودھپور کے زیر اہتمام مشاعرہ

یوم آزادی کے سلسلہ میں ۱۵ اگست ۱۹۶۵ء کی شب کو ۹ بجے میونسپل بلڈنگ میں ایک مشاعرہ زیر اہتمام انجمن ترقی اردو جودھپور و بتعاون سوچنا کیندر جودھپور منعقد ہوا۔ اس کی صدارت جناب جسٹس بی۔ پی۔ بیری۔ جج ہائی کورٹ راجستھان نے کی اور جناب گھرانا بورڈ کمشنر و جناب آنند موہن صاحب کلکٹر نے شرکت فرمائی۔

مقامی شعراء کے علاوہ جناب صبا آبوی۔ جناب غازی بیکانیری۔ جناب عمر کوٹی و جناب تحر جے پوری نے اپنی نظمیں و غزلیات پڑھ کر سنائیں۔

وحید اللہ خاں
(سکریٹری انجمن ترقی اردو جودھپور)

کلیاتِ سودا کی ترتیب و تدوین

دلی مورخہ ۱۶ اگست ۱۹۶۵ء بروز دوشنبہ بزم ادب کروڑی مل کالج دلی یونیورسٹی کی ایک خصوصی میٹنگ زیر صدارت ڈاکٹر خلیق انجم صدر شعبۂ اردو کالج ہذا منعقد ہوئی جس میں سال رواں کی ادبی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ بزم ادب کی جانب سے کلیاتِ سودا کی ترتیب و تدوین کا کام سب سے پہلے کیا جائے جو ایک پائیدار اور جامع صورت ہو۔ اس مقصد کے لیے مندرجہ ذیل حضرات پر مشتمل ادارہ کی تشکیل دے کر کام کے آغاز کے لیے ترتیب وار عنوانات کی تقسیم کی گئی۔

پیش لفظ:۔
ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی دلی۔

غزلیات:۔
ڈاکٹر خلیق انجم صدر شعبۂ اردو کروڑی مل کالج دلی

قصائد و ہجویات:۔

صدیق الرحمن قدوائی لیکچرار شعبہ اردو دلی یونیورسٹی دلی

مثنویات:۔

اسلم پرویز لیکچرار شعبہ اردو دلی کالج (شبینہ) دلی

مراثی:۔

فضل حق کامل قریشی لیکچرار شعبہ اردو کروڑی مل کالج دلی

رباعیات، قطعات و دیگر کلام:۔

شمیم احمد لیکچرار شعبہ اردو کروڑی مل کالج دلی

فارسی کلام:۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی ریڈر شعبہ اردو دلی یونیورسٹی دلی

(کامل قریشی)

حلقۂ "فکر و نظر" کا ماہانہ ادبی اجلاس

حیدرآباد۔ دارالمطالعہ و کتب خانۂ عامہ مغل پورہ (انجمن ترقی اردو) کی ادبی کمیٹی "حلقۂ فکر و نظر" کا ماہانہ ادبی اجلاس یہاں وزیر داخلہ نواب میر احمد علی خاں کی کوٹھی واقع مغل پورہ میں منعقد ہوا جس کی صدارت پروفیسر سید محمد پرنسپل اردو کالج نے کی۔ شہر کے اس نمائندہ ادبی اجتماع میں ممتاز ادیبوں اور شعراء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ ابتداء میں ممتاز افسانہ نگار رتن چندن نے اپنے دو معیاری افسانے "نئی صبح" اور "انتقام" سنائے۔ آج کا شاعر کے زیر عنوان ہندی اور اردو کے مشہور شاعر کنول پرشاد کنول نے اپنی متعدد غزلیات، نظمیں اور قطعات سنا کر بے حد داد حاصل کی۔ کنول پرشاد کنول کا تعارف پروفیسر حکیم یوسف حسین خاں نے کرایا۔ محفل کے مہمان خصوصی نواب میر احمد علی خاں وزیر داخلہ نے مسٹر بشیر انور معتمد اعزازی کی خواہش پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے حلقۂ فکر و نظر کی علمی و ادبی سرگرمیوں کو سراہا اور اس بزم کے نوجوان منتظمین کی بے لوث خدمات کی ستائش کی۔ آپ نے اس توقع کا اظہار کیا کہ اردو زبان و ادب کی توسیع و ترقی کے کام کو یونہی آگے بڑھاتے رہیں گے جس کے لیے موصوف کا عملی تعاون ہمیشہ حاصل رہے گا۔ تعمیر اردو ہال کی عملی صورت گری کے سلسلے میں جس کا اعادہ مسٹر بشیر انور نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کیا تھا، وزیر موصوف نے یقین دلایا کہ اس بات کی کوشش کی جائے گی کہ شہر کے اس حصے میں اردو کا ایک بڑا مرکز عمارت کی شکل میں جلد از جلد تعمیر ہو جائے۔ پروفیسر سید محمد نے اپنی صدارتی تقریر میں محلۂ مغل پورہ کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ یہ محلہ حیدرآباد کی ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کا شروع ہی سے مرکز رہا ہے۔ آخر میں محفل شعر و سخن منعقد ہوئی جس میں حیدرآباد کے مشہور شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

(حمید وحشت علی بیگ)

انجمن تعمیر اردو کی ہفتہ وار ادبی نشست

دلی۔ ۹ اگست۔ انجمن تعمیر اردو دلی کی ہفتہ وار ادبی نشست اتوار ۳ اگست کو شام کے سات بجے ادارہ ہال اردو بازار میں منعقد ہوئی۔ ملک کے مشہور نقاد اور افسانہ نگار حکیم کوثر چاند پوری نے صدارت فرمائی۔ کوثر صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں گلزار دہلوی کی لگن اور تعمیر اردو کے سلسلے میں ان کی کوششوں کو سراہا۔ نشست میں طراح منیر اصاحب نے "زناالجبر" کے عنوان سے ایک رمزیہ کہانی پڑھی۔ اور میتھلی زبان کے مشہور جمالیاتی شاعر ودیاپتی کی شاعری پر ایک تعارفی مضمون اور ان کی نظموں کا اردو منظوم ترجمہ جناب کما۔ ہاشمی صاحب نے پڑھا جو بہت پسند کیا گیا۔ گلزار دہلوی نے ابتداء میں کوثر چاند پوری صاحب کا خیر مقدم کیا اور اختتام پر شکریہ ادا کیا۔ (گلزار دہلوی سکریٹری)

اردو کے ساتھ تعصب کا برتاؤ نہ کیا جائے

بنارسی داس کی تقریر

سہارنپور ۱۷ اگست۔ بنارسی داس وزیر محنت یوپی نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ زبان کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ بن گیا ہے جس کو لوگ فرقوں کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ بات بنیادی طور پر غلط ہے آپ نے کہا کہ ہندی اور اردو کہنے کو دو زبانیں ہیں لیکن در اصل زبان ایک ہے اور ایک زبان کی ترقی دوسری زبان کی ترقی ہے اردو کو اب تک اس کا حق نہیں ملا ہے اب اسے اس کا حق ملنا چاہیے عدالتوں اسکولوں اور دفتروں میں اردو میں درخواستیں قبول کی جائیں گی۔ (الجمعیۃ دہلی)

سہ لسانی فارمولہ کے تحت بہار میں اردو پڑھانے کا سوال زیر غور

پٹنہ ۱۲ اگست سہ لسانی فارمولہ جزوی طور پر بہار میں پہلے سے رائج ہے یہ بات منگل کے دن تعلیم کے وزیر مملکت مسٹر نرپش تیواری نے صوبائی قانون ساز اسمبلی میں سوالات کے وقفہ میں بتائی۔ مسٹر رای کے نرائن چودھری (کانگریس) کے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ فارمولہ کے بموجب ہندی انگریزی اور مادری زبان طلبہ کو پڑھائی جائے۔

وزیر تعلیم نے بتایا کہ ہندی بولنے والے طلبہ کو اردو بنگلہ، اڑیہ، میتھلی، سنتھالی، اور سنسکرت پڑھانے کے سوال پر غور ہو رہا ہے تاکہ اسکیم پر مکمل طور سے عملدرآمد ہو سکے۔

(سیاست کانپور)

اردو میں بھی کام کا حکم کسی عدالت کو نہیں دیا گیا

وزیر انصاف علی ظہیر کا جواب یوپی اسمبلی میں

لکھنؤ ۱۷ / اگست ۔ وزیر انصاف شری سید علی ظہیر نے آج یو. پی اسمبلی میں بتایا کہ کسی بھی ضلع میں عدالتوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ وہ اردو میں بھی کام کریں۔

وزیر انصاف یوپی جو پی۔ ایس۔ پی ممبر شری ریاست حسین کے ایک سوال کا جواب دے رہے تھے بتایا کہ بعض بعض عدالتیں اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں ضرور قبول کر لیتی ہیں لیکن عدالت کا سارا کام ہندی ہی میں ہوتا ہے۔

شری ریاست حسین نے سوال کیا تھا کہ کن کن ضلعوں کی عدالتوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اردو میں بھی کام کیا جائے یا اردو میں دستخط کیے جائیں۔

وزیر انصاف نے کہا کسی ضلع کی عدالتوں کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔

شری ریاست حسین نے دریافت کیا کہ اتر پردیش سرکار نے جن آٹھ ضلعوں کو "اردو کے ضلعے" قرار دیا ہے کیا وہاں کی عدالتوں میں بھی اردو کے لیے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے۔

وزیر انصاف شری ظہیر نے بتایا کہ "اردو ضلعے" صرف سرکاری اعلانات اور نوٹیفکیشن کے لیے قرار دیئے گئے ہیں۔

(قومی آواز)

دہلی یونیورسٹی ریسرچ ایسوسی ایشن کا جلسہ

دہلی۔ ۱۱ / اگست ۱۹۶۵ء۔ شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کے اردو ریسرچ ایسوسی ایشن کا ایک جلسہ بصدارت پروفیسر احتشام حسین صاحب، صدر شعبۂ اردو الٰہ آباد یونیورسٹی۔ نئی ریل بلڈنگ کمرہ نمبر ایف ۱۲ میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی۔ پروفیسر و صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی نے مقالہ نگار کا تعارف حاضرین جلسہ سے کرایا۔ دیال سنگھ کالج کے لکچرر جناب ایس ایم عباس شارب ردولوی نے اپنا مقالہ بعنوان "اردو میں نفسیاتی تنقید" پڑھا۔ مقالے کے بعد ڈاکٹر محمد حسن۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ شہاب جعفری۔ نعیم احمد صاحبان وغیرہ نے بحث میں شرکت کی۔ جناب شارب ردولوی نے اپنے مقالے میں تحلیل نفسی کے مختلف نظریات فرائڈ۔ یونگ اور اڈلر کی تصانیف کی روشنی میں بیان کیے۔ پھر اردو تنقید میں نفسیاتی رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے حالی سے لے کر حسن عسکری، میرا جی اور ریاض احمد تک کے تنقیدی مضامین سے بحث کی۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ نفسیاتی تنقید نے ادیب کے ذہن کو سمجھنے میں مدد کی ہے لیکن ادبی اقدار کے تعین اور اچھے برے ادب کے معیار بنانے میں نفسیاتی تنقید ہماری مدد نہیں کرتی۔

صدر جلسہ پروفیسر احتشام حسین صاحب نے اپنی صدارتی تقریر میں اردو میں نفسیاتی تنقید کی اہمیت اور اس کی خامیوں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ اردو میں نفسیاتی تنقید کا چلن نہیں ہو سکا ہے اور اس سے پوری طرح عملی تنقید میں مدد نہیں لی جا سکی ہے۔ خود مغربی ادب میں بھی نفسیاتی تنقید پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی ہے اور ہنوز تجرباتی دور میں ہے۔

آخر میں صدر شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی نے مقالہ نگار اور پروفیسر احتشام حسین اور جملہ حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کیا۔ جلسہ میں شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی اور مختلف کالجوں کے اردو کے اساتذہ و طلباء نے شرکت کی۔

(سکریٹری شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی)

مرکز ادب گورکھپور کے زیر اہتمام مشاعرہ

یوم آزادی کے سلسلے میں مرکز ادب گورکھپور کے زیر اہتمام ایک بزم مشاعرہ زیر صدارت جناب عبد الرؤف تیمی صاحب ۱۵ / اگست کو ۹ بجے دن میں منعقد ہوئی۔ مخصوص مہمانوں میں ڈاکٹر محمود الٰہی صدر شعبہ اردو گورکھپور یونیورسٹی، برج موہن سہائے کمن آنریری مجسٹریٹ و ڈپٹی اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر کے نام قابل ذکر ہیں۔ مشاعرے کے نثری دور میں مندرجہ ذیل تخلیقات پیش کی گئیں۔

(۱) احمر لاری — مقالہ — "حسرت کی سیاسی شاعری"

(۲) آفتاب بہرائچی — افسانہ — "خوابوں کے سائے"

(۳) ایم کوٹھیاوی راہی — افسانہ — "کامیڈین"

شعری دور میں ماسٹر احمر گورکھپوری، ڈاکٹر سلام سندیلوی، نور گورکھپوری، مسلم انصاری، ایم کوٹھیاوی راہی، عمر قریشی، شریف گورکھپوری وغیرہ نے اپنے کلام پیش کیا۔ صدر مشاعرہ کی غزل پر مشاعرے کا اختتام ہوا۔

(آفتاب بہرائچی)

(ناظم نشر و اشاعت مرکز ادب گورکھپور)

تصحیح

میرے مضمون رشید حسن کی تحقیقی غلطیاں میں نمبر ۵ کے ذیل میں جہاں مصرع تاریخ کی صحیح صورت میں نے دی ہے کتابت کی دو اہم غلطیاں ہو گئی ہیں براہ کرم تصحیح فرما دیجیے۔ گفت ہاتف ز اسخ شیوا زبان"

یہاں شیوا الف سے ہونے کی صورت ہی میں مادہ تاریخ برآمد ہو گا۔

نمبر ۵ میں مصرع یوں ہے ۔ بود سید شبیر محمد امام

کتابت میں امام کا الف لکھنے سے رہ گیا ہے۔ (اکبر علی خاں)

علاوہ غلطی کتابت کی نہیں ہے [illegible] میں اسی طرح لکھا ہے (ادارہ)

تبصرہ

خلیل الرحمن اعظمی

لہر لہر ندیا گہری

مصنف: زبیر رضوی
ناشر: مکتبہ صبا حیدرآباد (دکن)
قیمت: تین روپے

ہندوستان و پاکستان میں گذشتہ دس سال کے اندر اردو شاعری کی جو نئی نسل سامنے آئی ہے اس نے اردو نظم اور غزل کو ایک نئے ذائقے سے روشناس کیا ہے۔ یہ نیا ذائقہ کیا ہے اور یہ کن لوگوں کے لیے قابل قبول ہے اور کن لوگوں کے لیے نامانوس اور اجنبی اور اس ذائقے کی معنویت کتنے دور رس گیا ہے یہ وہ سوالات ہیں جو آج کے نقادوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ نئی شاعری کے علمبرداروں کے منھ کا مزہ دراصل بگڑا ہوا ہو گیا ہے اور وہ رنگین حقائق اور جمالیاتی احساس کی دنیا سے نکل کر زندگی کے کھردرے چہرے کو دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کی تصویر کشی بھی کھردرے انداز میں ہی کرنا چاہتے ہیں اس لیے جدید نظم اور غزل اپنی فضا اور آہنگ کے اعتبار سے نثر سے بہت قریب ہو گئی ہے اور جب تک اس کی اندرونی رمزیت اور علامت نگاری کو نہ سمجھا جائے اس سے لطف اندوز ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ زبیر رضوی کو اس اعتبار سے ایک استثنا قرار دیا جا سکتا ہے۔ ان کے یہاں بھی قریب قریب وہی مسائل ہیں جو دوسرے نوجوان شعرا کے یہاں لیکن ان مسائل کو دیکھنے، محسوس کرنے اور انھیں شعری پیکر میں ڈھالنے کا انداز دوسرے جدید تر شعرا سے مختلف بلکہ متضاد ہے۔ انھوں نے رومانی انداز نظر اور غنائی لہجے سے اپنا رشتہ برقرار رکھا ہے۔ اسی لیے ان کی نظموں، غزلوں اور گیتوں میں ہمیں وہ رس ملتا ہے جس کے لیے بعض لوگ اب ترس رہے ہیں۔ زبیر کے کلام کا یہ پہلا مجموعہ ہے، اور وہ عمر کی جس منزل میں ابھی تک ہیں اس کی رعایت سے فطری طور پر ان کے یہاں عنفوان شباب کا جذباتی وفور، آرزو مندی اور عشق و محبت کے نشیب و فراز ملتے ہیں۔ ان کی شاعری کے مرکزی کردار (ہیرو اور ہیروئین) موجودہ دور کی مشکلات اور ناسازگار ماحول کا شکار ہیں لیکن ان کے یہاں شکست، دل برداشتگی، احساس نامرادی اور قنوطیت، تلخی اور کلبیت کے بجائے سرشاری اور وارفتگی ملتی ہے اور یہ دونوں کردار محبت کو ہی اپنا مذہب سمجھتے ہیں۔ ان نظموں کا رشتہ اردو کے بعض دوسرے رومانی شعرا مثلاً اختر شیرانی، مجاز اور ساحر وغیرہ سے جوڑا جا سکتا ہے، کہیں کہیں مخدوم، فیض اور دوسرے شعرا کی گونج بھی سنائی دیتی ہے لیکن مجموعی طور پر زبیر کے یہاں ایک نئی اور شگفتہ فضا کا احساس ہوتا ہے۔ اردو نظم کے اسالیب میں رفتہ رفتہ جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان سے زبیر نے بھی ایک خاموش اثر قبول کیا ہے۔ ان کی نظمیں علامتی تو نہیں ہیں لیکن علامتی انداز بیان اور ڈرامائی لہجے سے انھوں نے خاصا فائدہ اٹھایا ہے اور بعض جگہ نئی ذہنی تصویروں (امیجز) کی تخلیق بھی کی ہے اس لیے یہ نظمیں غنائی اور رومانی آہنگ کے باوجود پرانی نہیں معلوم ہوتیں۔ غزلوں میں بھی کلاسکی روایات کے احترام کے ساتھ ساتھ تازگی اور شگفتگی کا احساس ہوتا ہے بلکہ غزل کی اپنی رمزیت اور تہہ داری عنفوان شباب کے تجربات کو بھی نظموں کی نسبت زیادہ بالغ اور پختہ انداز میں پیش کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ غزل کے بعض شعروں میں شاعر اس غم تک بھی پہنچا ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں محبت کے سوا کہتے ہیں۔

زبیر کے گیت خاص طور پر ہماری توجہ کو اپنی طرف مبذول کرتے ہیں۔ ان گیتوں میں اس فضا اور لہجے کا خاص خیال رکھا گیا ہے جس کے بغیر گیت اپنی سرحد سے نکل کر نظم یا نظم نما گیت بن جاتا ہے۔ ان گیتوں میں خالص عشقیہ اور جمالیاتی تجربوں کا اظہار بھی ہے اور قومی اور تہذیبی مسائل کا عکس بھی۔ زبیر کے ان گیتوں میں ہندوستانی عورت کی وہ تصویر بھی ابھرتی ہے جو دراصل اس نوع کی شاعری کا محرک ہوتی ہے۔

مجموعے کا نام ہمیں زیادہ پسند نہیں آیا۔ نام سے جس نوع کی ہلکی پھلکی شاعری (ندیا گہری ہونے کے باوجود) کی طرف ذہن جاتا ہے زبیر کی شاعری اتنی ہلکی پھلکی نہیں ہے۔

اردو ادب کا نہرو نمبر

جناب امتیاز علی عرشی صاحب کی نظر میں

"اردو ادب کا "نہرو نمبر" ملا۔ اب تک میری نظر سے جو شمارے اس موضوع پر گزرے ہیں، ان سب میں یہ نمبر نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے مندرجات سے پنڈت جی کی زندگی کے تمام اہم گوشے اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اور پڑھنے والا اپنے ذہن و قلب میں ایک گرمی اور توانائی محسوس کرتا ہے، جو پنڈت جی جیسی شخصیت کے بھرپور عکس ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔

میری نظر میں بحیثیت مجموعی یہ نمبر یادگار شمار کیے جانے کے قابل ہے اور میں اس کی اشاعت پر ادارے کو مبارکباد دیتا ہوں۔

آخر میں، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اتنا اچھا شمارہ مجھے ہدیتہً بھیجا۔"

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شایع کیا